

کراچی میں اردو حمدیہ قصیدہ نگاری

Urdu Hamdiyya Qasida Nigari in Karachi

Abbas Ali Shah Saqib

M.Phil. Urdu Scholar, Ripah International University Islamabad Faisalabad Campus.

Email: abbasalishah786786@gmail.com

Asif Afzal Bhandara

M.Phil. Urdu Scholar, Ripah International University Islamabad Faisalabad Campus.

Email: asifafzal.bhandara@gmail.com

Fozia Hanif

M.A. Urdu university of Sargodha.

Email: msfoziahhanif@gmail.com

Received on: 10-04-2022

Accepted on: 14-05-2023

Abstract

Hamdiah qasidah describes the commendation and praise of Allah Almighty. Qasidah is consist of four parts (Tashbeeb, Gurez, Madah and Duaa). The title of this article is (کراچی میں اردو حمدیہ قصیدہ نگاری). This article describes the different aspects of Hamdiah Qasidah and Toheed. This poetic form, rooted in Islamic tradition, services as a poignant expression of love, admiration, spiritual devotion and explains the Natural system. Its enduring presence in Urdu literature underscores its significance as a bridge between the realms and religious veneration. Renowed poets like Asar Zuberi, Sahir Lakhnavi, Ghulam Ali Wafa, Raffee-u-deen Raz and Shaaer Ali Shaaer have contributed significantly to development Urdu Hamdiah Qasidah in Karachi.

Keywords: Urdu, Qasida Nigari, Karachi, spiritual devotion, expression of love.

تمہید

کراچی کو روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ یہ شہر محض اپنی خوشحالی کی وجہ ہی سے روشنیوں کا شہر نہیں ہے بلکہ اس شہر میں علم و عرفان کی ایسی شمعیں روشن ہیں جن کی کرنوں سے پھوٹی روشنیوں کی وجہ سے یہ شہر روشنیوں کا شہر کہا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ شہر صنعتی اعتبار سے معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے وہیں اس شہر کی ادبی خدمات بھی پاکستان میں مرکزی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس شہر کے ادیبوں نے تمام اصنافِ سخن میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ دیگر اصناف کے علاوہ ”شہنشاہِ قلیم ادب“ میں بھی کراچی کے شعرا نے اپنا زور بیان دکھا کر اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ قصیدہ نگاری اگر ”شہنشاہِ قلیم ادب“ ہے تو حمدیہ قصیدہ نگاری ”سید الادب“ ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید قصیدے کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

”عربی، فارسی اور اردو لغات اور نقادوں نے بالاتفاق قصیدے کو ارا دی شاعری کے زمرے میں شمار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پرمغز ہونے کو بھی بنیادی اہمیت دی ہے یوں قصیدہ دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں منفرد اہمیت کا حامل ٹھہرا ہے۔۔۔ اس صنف میں بھاری بھر کم اور شان و شوکت کے حامل الفاظ و اسالیب، پرمغز خیالات اور فلک رس افکار کا ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔ قصیدے کے اشعار عمدہ، مہذب کیے ہوئے اور پاکیزہ بھی ہونے چاہئیں۔“ (۱)

کراچی میں اردو حمدیہ قصیدہ نگاری کی روایت اور حمدیہ قصیدے کا منظر نامہ اپنی تمام تر فکری رعنائیوں کے ساتھ پاکستانی ادب میں ممتاز مقام حاصل کر چکا ہے۔ کراچی حمدیہ قصیدہ نگاری کا شہر ہے۔

اثر زبیری

اثر زبیری تقسیم ہند کے وقت بھارت کے شہر لکھنؤ سے پاکستان آئے اور پاکستان میں روشنیوں کے شہر کراچی میں سکونت اختیار کی۔ کیوں کہ یہ شہر علم و ادب کا مرکز تھا اس لیے آپ کا انتخاب ٹھہرا۔ آپ نے اپنی زندگی کا طویل حصہ اسی شہر میں گزار کر ادب کی خدمت کی۔ آپ نے کراچی میں ہی وفات پانگئے۔

آپ کا ایک قابلِ قدر کارنامہ قرآن مجید فرقانِ حمید کا منظوم ترجمہ کرنا ہے۔ جسے ”سحر البیان“ کے عنوان سے معنون کیا گیا ہے۔ جس سے آپ کے علم و فضل کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن سے خاص رغبت کے باعث اللہ تعالیٰ کی قدرتوں، عنایات، عظمتوں، توحید، فلسفہ توحید، فلسفہ وحدت الوجود، فلسفہ وحدت الشہود، فلسفہ وحدت الوجوب اور احدیّت و وحدانیّت کا ادراک رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں ایک حمدیہ قصیدہ بھی پایا گیا ہے جو موضوعات کی رنگارنگی سے مملو ہے۔ اثر زبیری کے ہاں سلسبیل میں ۲۸ اشعار پر مبنی حمدیہ قصیدہ موجود ہے۔

اثر زبیری نے اسماء الحسنیٰ کو بڑی ہی خوب صورتی سے حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے۔ قرآن مجید میں مذکور اسمائے الہیہ کے اُفتی حمد پر کہکشاں و شفق کی طرح چمکتا اور رنگ بکھیرتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے صفاتِ ربّ جلیل جو قرآن میں مذکور ہیں ان کو اپنے کلام کی زینت بنا کر اشعار کو گنجینہ معنی کا گلدستہ بنا دیا ہے۔ قصیدے کی فصاحت و بلاغت اور پر شکوہ زبان اس کے موضوع کی بنت میں پنہاں ہے۔ آپ نے قرآن سے اسمائے الحسنیٰ کا انتخاب کر کے بڑی عمدگی سے قصیدے میں سمو یا ہے۔

اثر زبیری کے ہاں مؤثر، پرمغز اور جذبہ ایمانی سے سرشار اسمائے الحسنیٰ کا استعمال ملاحظہ ہو:

بنامِ داورِ ارض و سما غفور و ودود

ہے جس کے حکم سے تفکلیلِ غیب و شہود^(۲)

اس وسیع و عریض کائنات کا ادراک آج بھی انسان کے لیے معمہ ہے۔ خالقِ ارض و سما کے تصرف میں سب کچھ ہے۔ اس کے اختیار، اقتدار، شہنشاہیت اور دائرہ اختیار وسیع ترین ہے۔ صحرا ہو کہ جنگل، خشکی ہو کہ تری، پورب ہو کہ بچھم، قطب ہو کہ دکھن، شش جہات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و مملکت کے نظام کو بڑی موضوعاتی تراشیدگی سے اثر زبیری نے حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے۔

اثر زبیری کے ہاں اللہ تعالیٰ کی کاریگری، صنعت اور احسن الخالقین ہونے کے متعلق اشعار ملاحظہ ہوں:

اُسی کی ذات ہے شیرازہ بند کون و مکاں
اُسی کا ہاتھ ہے دریوزہ بخش نشو و نمود^(۳)
وہ صاحبِ ہمہ قدرت وہ داورِ ہمہ گیر
کہ مملکت میں نہیں جس کی دست گاہِ حدود^(۴)

اثر زبیری نے فکری شعور کی پرواز اور تخلیقی قوت سے موضوعات کو تنوع و تازگی سے مزین کر دیا ہے۔ جذبہٴ محبت اور عرفانِ ذاتِ الہی ان کی حمدیہ قصیدہ نگاری کا اساس ہے۔ مذہبی اصنافِ شاعری میں حمدیہ قصیدہ نگاری کو اولیت و فوقیت حاصل ہے۔ قصیدہ نگار بڑے والہانہ انداز میں شانِ کریمی بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی قوت اور تصرفِ الہ کو اثر زبیری نے بڑی عمدگی سے سپردِ قسط کیا ہے۔ شعر دیکھیے:

ہیں خَلق و امر اسی کے تصرفِ ذاتی
اُسی کے حکم سے ہنگامہ فنا و وجود^(۵)

اسی کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی مدح و توصیف بیان کی ہے۔ جس سے شعر کی چاشنی اور معنویت مزید بڑھ گئی ہے۔ لفظ ”مُخَن“ فرما کر اس کائنات کو وجود بخشا اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت اور کلی اختیارات کا مالک ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اثر زبیری نے زورِ قلم سے اس موضوع کو کامل یکسانیت، ہم آہنگی اور نظم و ضبط سے قلمی مرتق کا شاہکار بنایا ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

وہی معلمِ یکتا ہے درسِ ہستی کا

کہ لفظِ کن سے کیے جس نے دو جہاں موجود^(۶)

یہ کائنات رنگ اور دل آویز مناظر کا حسین مجسمہ ہے۔ اگر کوئی شاعر قوتِ مشاہدہ، خیالات اور افکار کے ذریعے کمال حاصل نہیں کر سکتا تو یہ اس کی کم مائیگی ہے۔ اثر زبیری نے قوتِ متخیلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے ثنائے ربِّ جلیل کو ایک عظیم ترین فکر و عمل کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کریمی کے ازلی وابدی جوہر کو حمد کا موضوع بنایا ہے۔ وہ پاک ذات محتاجوں پر رحیم اور ان کے لیے ندیم، ولی اور دوست ہے۔ اثر زبیری کے ہاں قرآنی تعلیمات پر استوار شعری مثال ملاحظہ ہو:

کریم ایسا کہ محتاج کو کرے سلاطین

ندیم ایسا کہ زردِ رواقِ جاں موجود^(۷)

بندۂ مومن پہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اور صفاتی ناموں سے پکارے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق اپنے صفاتی نام پکارنے والوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اثر زبیری حکمت والی ذات کی حکمتوں کو بڑے دل کش انداز میں بیان کرتے ہیں۔ حکمتوں والے کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔ قرآن کی سورۃ الروم میں بیان آہ وہا (پانی اور ہوا) کے مضمون کو موضوعِ سخن بنا کر آپ نے شعر کو معنوی وقعت کا جامہ

پہنایا ہے۔ اثر زبیری نے حمدیہ قصیدے کے موضوعات کو قرآنی تعلیمات پر استوار کیا ہے۔ شعری مثال ملاحظہ ہو:

حکیم ایسا کہ جس کے مدارِ حکمت پر
مثالِ آسیہ گردش میں یہ چرخِ کبود^(۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات اگر غفور، رحیم، کریم اور حلیم ہے تو وہ جناب، قہار اور جاہ و جلال والی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں اور پیشانی جھکانے والوں پر رحمن و رحیم ہے۔ مگر رُوگردانی کرنے والوں اور منکرین کے لیے سخت حساب گیر ہے۔ اس کی عدالت میں رائی کے برابر خیر کا صلہ اور رائی کے دانے کے برابر شر کا حساب دینا ہو گا۔ اس عدالت سے توحید پرستوں کے لیے انعام و اکرام، عزت و شرف اور جنت کا پروانہ ملے گا جب کہ اس کے برعکس منکرین و مشرکین کے لیے عذابِ الیم اور جہنم کا پروانہ جاری ہو گا۔ اثر زبیری نے جزا و سزا کے مضمون کو مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ جزا کے موضوع سے خیر و فضل کی امید دلا کر اور سزا کے موضوع سے عذابِ الہی کی وعید سنا کر رجوع الی اللہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ اس نے قرآنی فلسفے سے جنت و جہنم کا تصور منتخب کر کے حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

جلال اس کا جہنم، جمالِ خلدِ بریں
عدالت اس کی ہے بے شبہ عرصہ گاہِ شہود^(۹)

اثر زبیری نے حمدیہ قصیدے میں فلسفہ وحدت الوجود کو بنیاد بنا کر مدحِ ربِّ جلیل بیان کرنے کی سعی و کوشش کی ہے۔ یہ فلسفہ اہل تصوف کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اس کائنات میں حقیقی وجود تو فقط اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مگر چار سو اس کی قدرتوں کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ جو کچھ مظاہر کائنات میں نظر آتا ہے وہ خالقِ حقیقی کے وجود کا عکس اور مختلف صورتیں ہیں۔

اس کائنات کے رنگ حسن، خوبصورتی، دل آویزی اور ہر چیز میں اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ کائنات میں بکھرے آثار اس کائنات کے خالق کی نشانیاں ہیں۔ ساری کائنات اسی کی جلوہ گاہ اور مظہرِ ذاتِ الہی ہے۔

بھلائی والے اللہ کے مومنین بندے ہیں اور ان کے لئے بھلائی جنت و دیدارِ الہی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دیدارِ الہی اور جمالِ الہی کا نظارہ نصیب ہو گا۔ اسی ذات کے نظارے اس عالم موجودات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی نظارے اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس جہاں میں بھی نظر آتے ہیں۔ اثر زبیری کے ہاں اس موضوع پر خوب صورت اشعار ملاحظہ ہوں:

ترے جمال سے اے کارسازِ بزم وجود
فروع گیر ہوئی کہکشانِ زراں وود
ترے قدم کے دلائلِ حوادثِ کوئین
ترے ثبات کی شاہد شکستِ نظم نمود^(۱۰)

اثر زبیری اس مضمون بندی میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعداد کو یہ ذرہ ہائے سوادِ فضائے لامحدود نہیں پہنچ سکتے۔ جس قدر اللہ

تعالیٰ کے اقتدار کی کُرسی وسیع ہے اسی طرح اس کی صفات کا دائرہ وسیع ترین ہے۔ قرآن خود صفاتِ الہیہ کا مظہر ہے۔ قرآن کلامِ الہی اور صفاتِ الہی کا علم بردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو عین ذات ہیں اور نہ ہی غیر ذات ہیں۔ شبِ معراج ذاتِ باری تعالیٰ کا دیدار تھا۔ کائنات میں پھیلی قدرتیں صرف صفات کا مظہر اور اپنے بنانے والے کی قدرت کو سمجھنے کا نشان ہیں۔ اس کی صفات کی کوئی ابتداء اور انتہا نہیں ہے۔ کوئی صفاتِ احاطہ شمار میں نہیں لاسکتا۔

سورۃ طہ میں اور سورۃ الشوریٰ میں بھی صفاتِ الہیہ کی کوئی حد و انتہا نہ ہونے کا ذکر بیان ہوا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور صفات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اثر زبیری کے ہاں قرآنی تعلیمات سے ماخوذ حمدیہ قصیدے کا شعر ان کی قرآن فہمی و قرآن بینی کا ثبوت ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

تری صفات کی تعداد کو پہونچ نہ سکے

یہ ذرہ ہائے سوادِ فضائے لا محدود (۱۱)

اثر زبیری نے مدحِ ربِّ جلیل کے لیے انبیاء کرام کو عطا کیے گئے اعزازات، معجزات اور کمالات کو موضوع بنا کر تخلیقی فعالیت و منطقی دلیل کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے حبیبِ کبریاء ﷺ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمعیل ذبیح اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت آدم صلی اللہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کے تذکرے نے فکری معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔ انبیاء کرام اللہ کے برگزیدہ اور چنیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر وحی نازل کر کے اپنے پیغامات انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ یوں اللہ اور بندوں کے درمیان میں انبیاء کرام علم و عرفان، راز و نیاز، عہد و اسرار اور اصولِ شریعہ بیان کرتے ہیں جس سے انسانیت کو راست راہنمائی ملتی ہے۔ جو یقیناً اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر خاص فضل و کرم ہے۔ اس سنج کے حامل چند اشعار دیکھیے:

ترے حبیب کے فرشِ قدم یہ ہفت افلاک

ترے خلیلؑ پہ گلزارِ پہ آتشِ نمرود

ترے ذبیحؑ کا تحفہ یہ چشمہ زم زم

ترے مسیحؑ کا صدقہ شفاء بر صِ جلود

ترے صفیؑ سے ہوید اکمالِ خلق ترا

وہ سب کا قبلہ اول وہ ظاہرِ مسجد (۱۲)

اثر زبیری کے حمدیہ قصیدے میں ایسے اشعار بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ کامیاب کون ہوا؟ کامیاب ہونے والوں کی کامیابی کی وجہ کیا تھی؟ کامیاب ہونے والوں نے کس کی پیروی کی؟ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا شکار ہونے والے کون تھے؟ سرکشانِ توحید کون کون سی اقوام تھیں؟ قرآن میں بیان کردہ اقوام کا حال کیا ہوا؟ تقابلی طرزِ گفتگو سے ابلاغ میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ یوں اثر زبیری نے

بڑے فکر انگیز انداز میں اعمال و افکار کا محاسبہ کرنے پر قاری کو مجبور کر دیا ہے۔ یوں احساس کو بیدار کیا گیا ہے۔ توحید بیان کرنے کا عمدہ انداز اپنا کرا انجام سے باخبر بھی کر دیا ہے۔ قرآن مجید متعدد سورتوں میں متعدد مقامات پر قوم عاد و ثمود کا انجام بیان کرتا ہے۔ سورۃ ہود، العنکبوت، الحقائق، الاعراف اور سورۃ الفرقان میں قوم عاد و ثمود کی سرکشی، جرائم، ہٹ دھرمی، انجام اور تباہی کا منظر جو قرآن نے بیان کیا ہے اسے اثر زبیری نے بڑی فکری پختگی اور مشافی سے شعری صورت میں پیش کر کے علو فکر کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ مقام فکر ہے۔ بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے قرآنی موضوعات کو قرطاس کی زینت بنا کر ہمیں جھنجھوڑا گیا ہے۔ شعر دیکھیے:

نثارِ راہ ترے عارفانِ روم و حبش

شکارِ قہر ترے سرکشانِ عاد و ثمود (۱۳)

اثر زبیری نے انعام یافتہ جماعت کا تذکرہ کر کے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ مرسلین اور صدیقین جیسی اتباع و پیروی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ وہ ذات جس کے مطیع و فرماں بردار فرشتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی کبریائی و ثناء بیان کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی کیا مجال کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت کا احاطہ اور حق عبادت ادا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کی تمام مخلوقات کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں۔ ان ہستیوں کا وجود خیر و برکت اور اللہ کے انعامات و اکرامات کا موجب ہے۔

شاعر کا مطلع نظر مدحِ ربِّ جلیل ہے۔ اثر زبیری نے انعام یافتہ جماعت کا تذکرہ کر کے ہمیں ان کی روش پر چلنے کی ترغیب دلائی ہے۔ گہری سوچ کے عکاس چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رہین لطف ترے مرسلین و صدیقین

مطیع حکم ترے سب ملائکہ کے جنود

مجال کیا تری حمد و ثناء کی مجھ کو، کہ ہوں

میں ایک بندہ ناچیز و گم سواد وجود (۱۴)

اثر زبیری نے حمدیہ قصیدے کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے صلے کے طور پر رحم و کرم کی التجا کی ہے۔ روز جزا آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا طلب گار ہے۔ وہ دشمنِ مردود کے تلبیس کے اثر نہ کرنے کا خواہش مند بھی ہے۔ حسنِ طلب کے طور پر خاتمہ بالا ایمان کا آرزو مند ہے۔ آخری گھڑی کلمہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے نام جاری ہونے کی دعا کرتا ہے تاکہ وقتِ نزاع لا شریک لہ لا الہ کے کلمات جاری ہوں اور صلے اور انعام کے طور پر حالتِ ایمان میں روح پرواز کر جائے۔ آپ کے ہاں جذبے کی شدت نے حمدیہ قصیدے کو زور دار بنا دیا ہے۔ جو نعرہ پاکستان کی بنیاد بنا وہ لا الہ الا اللہ تھا۔ یوں پاکستان کی بنیادیں حمدِ باری تعالیٰ پر استوار کی گئیں ہیں۔

حسنِ طلب میں اثر زبیری نے بڑی عمدگی سے بارگاہِ ایزدی سے خیرات طلب کی ہے۔ ان کے ہاں شعری مثالیں دیکھیے:

بہ حرمتِ شہِ والا شفیعِ روزِ جزا

بہ وقتِ مرگ کہ جب آسے ہوں سب مفقود
زبان و قلب پہ جاری ہو نامِ پاک ترا
اثر نہ کر سکے تلپیں دشمنِ مردود
لبِ اثر پہ رہے وقتِ نزاعِ وردِ یہی
کہ لا شریک لہُ لا الہ غیرِ وُدود (۱۵)

ساحر لکھنوی

اصل نام سید قائم مہدی نقوی اور تخلص ساحر تھا۔ آپ پاکستان کے نامور مرثیہ گو اور قصیدہ نگار شاعر تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے نانا جان سید محمد ذکی ہاتف کا شمار مشہور شعراء میں ہوا کرتا تھا۔ ساحر لکھنوی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ آپ میدانِ علم میں ایم اے، ایل ایل بی اور ڈی آئی ایل ایل کی ڈگریاں حاصل کر کے کامیابیاں سمیٹنے لگے۔ آپ نے ایک انٹرنیشنل انڈسٹریل انسٹی ٹیوٹ میں پرنسپل اینڈ ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کے طور پر فرائض منصبی بھی ادا کیے۔ آپ نے اپنے کارہائے منصبی ۱۹۹۳ء تک ادا کیے۔ شاعری سے خاص رغبت تھی۔ کئی اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی کی۔ شاعری کا آغاز سلام لکھنے سے کیا لیکن یہ سفر غزل سے ہوتا ہوا قصیدہ، سلام، منقبت، مرثیہ گوئی، اور رباعیات پر منتج ہوا۔ تلمیحات و مصلحات، شمشیر و سناں اور مرثیہ پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ ان کی معروف کتب ہیں۔ یہ ان کی خوش بختی اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے گہری وارفستگی کی علامت ہے کہ ان کے ہاں ایک حمدیہ قصیدہ بھی ملتا ہے۔ یہ حمدیہ قصیدہ ان کے مجموعے ”صحیفہ مدحت“ کی زینت ہے۔ ۴۰ شعروں پر مشتمل یہ لامیہ قصیدہ ان کی شعری ریاضت اور فکری پختگی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ساحر لکھنوی نے مدحِ ربِ جلیل میں توحید کی نورانی کرنیں سجانے کی سعی روح کو اُجالنے کی قوت رکھتی ہے۔ کراچی میں اردو حمدیہ قصیدے کی روایت میں یہ حمدیہ قصیدہ فکری اُڑان کا ایک عمدہ اضافہ ہے۔ حمدیہ قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:

اے قلمِ حمد کے جادہ میں چل اب سر کے بل
اس میں ہر گام ہے اک شکر کے سجدہ کا محل (۱۶)

ساحر لکھنوی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف میں اس کا شکر بجالاتا ہے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے۔ دراصل یہ بھی مدحِ ربِ جلیل ہے کہ اس کا بندہ اللہ کی نعمتوں پر حمد سرا ہے۔ اللہ کا ذکر کامل ایمان کی علامت اور دنیا و آخرت میں بھلائی پانے کا وسیلہ ہے۔ ساحر لکھنوی نے حمدیہ قصیدے میں شکر و سجدہ کے موضوع کو برت کر کلام کی معنویت و جامعیت کو گلدستہ فکر بنا دیا ہے۔ شعر دیکھیے:

شُکر اُس کا جو لائقِ صد شکر و سجدہ
شُکر اُس کا کہ جو ہے مرکزِ اُمید و امل (۱۷)

قرآنی اصطلاحات کا استعمال حمدیہ قصیدے کو سوچوں کی تطہیر عطا کرتا ہے۔ توحید کا بیان استدلالی انداز اپنا کر کمالِ فکر کے سانچے میں ڈھل جاتا

ہے۔ اللہ کے کلام میں تبدیلی ناممکن ہے۔ خاص علمی یا تکنیکی لوگ ہی قرآن کے بیان کردہ موضوعات سے اختراعات کر سکتے ہیں۔ قرآن کے معانی و مفہوم کو پُر حکمت انداز میں سمجھنے کے لیے ساحر لکھنوی نے اپنے کلام کو موضوعات قرآن کی طرف موڑا ہے۔

سورۃ الاخلاص سے کشیدہ کردہ فکری زاویہ دیکھیے اور شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

قل ہو اللہ احد لکھ سر پیدشانی

حمد

وہ احد جس کا مقابل نہ مماثل نہ بدل

اک فقط ”کن“ کے اشارے سے کئے خلق اس نے

بحر و دریا و در و گلشن و صحرا و جبل^(۱۸)

قل ہو اللہ احد اللہ کی توحید، کُن تخلیق کائنات کے لیے حکم ربّی اور احسن تقویم اشرف المخلوقات (رسولوں، انبیاء، صحابہ، صالحین اور انسانوں) کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ساحر لکھنوی نے اسرار توحید اور معرفت وجود باری تعالیٰ کی تاروں کو چھیڑ کر حمدیہ قصیدے میں ندرت خیال اور فکر کی اڑان کو فزوں تر کر دیا ہے۔ وہ ذات جس کے اقتدار کی کُرسی کی وسعت زمین و آسمان سے وسیع ہے۔ بندہ مخلوق ہو کر اپنے خالق کی شان کا کیسے احاطہ کر سکتا ہے؟ بندے کی سوچ محدود اور خالق زمین و آسمان کا نور ہے۔ اللہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پھر حضرت آدمؑ کی تخلیق کا مقصد اپنی ذات کو اس میں چھپا کہ آنا تھا۔ پھر بھید کھلا جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ عرفان ذات ہی عرفان الہی ہے۔ شعور و ادراک کو قرآن و حدیث کی نورانی چھڑی کی مدد سے ہی راہ راست پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

کون ہے، کب سے ہے، کیسے ہے وہ اور کیسا ہے

کوئی کر سکتا نہیں ہے یہ معمہ کبھی حل

ناخن عقل سے جو کھل نہیں سکتا ہے کبھی

ذات ہے اس کی وہ اک عقدہ مالاخیل^(۱۹)

ساحر لکھنوی نے جوہر کائنات، عالم چار دانگ اور نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے آثار کو اپنے کلام میں سموایا ہے۔ نگاہ شوق ربّ جلیل کی کائنات کی بناوٹ، ارتباط و انسلاک اور خوب صورتی کے مشاہدے میں مگن ہے۔ نور و نکہت میں مستغرق تمناؤں کا پاکیزہ جھر مٹ بار بار نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے مدح سرائی میں لگ جاتا ہے۔ تکوین کائنات سے ہی راز کائنات کا حصول ممکن ہے۔ شعری مثالیں دیکھیے :

سقف گیتی پہ جلّائے جوستاروں کے چراغ

دست آفاق میں دی شمس و قمر کی مشعل

یہ ستارے ہیں کی سبزے پہ ہیں بکھرے ہوئے پھول

چاند ہالے میں ہے یا چشمہ رحمت میں کنول^(۲۰)

ساحر لکھنوی نے اللہ تعالیٰ کے غفار و قہار ہونے کا ذکر کر کے اس ذات کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ اطاعت و کرم کی صورت میں جنت کی بشارت اور بغاوت و غیظ کی صورت میں جہنم کی وعید کو موضوع بنا کر قصیدے کو جاہ و جلال کا مرتفع بنا دیا ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے نصیحت اور صالحین کے لیے کرم و بخشش کی نوید و خوش خبری ہے۔ یہی ایک مصلح اور انسان دوست کا انداز فکر و نظر ہوا کرتا ہے۔ قصیدہ نگار نے بھولتے ہوؤں کو پھر سے توحید کا سبق یاد دلایا ہے۔ قصیدے میں نوید و وعید کا شعر دیکھیے:

غیظ میں وہ ہو تو دنیا بھی جہنم ہو جائے
ہو کرم اُس کا تو دوزخ ہو کم از کم منقل
شعلہ نارِ جحیم اس سے بغاوت کی سزا
ثمرِ باغِ جنات اُس کی اطاعت کا ہے پھل^(۲۱)

ساحر لکھنوی نے نہایت حساس موضوع کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے اور اسے حمدیہ قصیدے میں زیر بحث لا کر توحید کے حوالے سے اس کی حساسیت اُجاگر کی ہے۔ ستاروں (عقرب، قوس، سنبلہ، ثور، حمل) کی چال سے آنے والے حالات و واقعات جاننے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ ستاروں کی چال سے قطعی اور یقینی فیصلہ صادر کرنا اور ایمان رکھنا ناجائز عمل ہے۔ کیوں کہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تو ہم پرستی کی روش اہل ایمان کی روش نہیں ہے۔ تقدیر غالب آکر رہتی ہے۔ پس اپنے معاملات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ کائنات اللہ تعالیٰ کے کلی تصرف میں ہے۔ کراچی کی اردو حمدیہ نگاری میں فکری معنویت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ عقرب و قوس ہوں یا سنبلہ و ثور و حمل کو ساحر لکھنوی نے نہایت ہی اچھوتے انداز میں شعر میں سمو یا ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

اس کی تقدیر کے پابند نجوم اور بروج
عقرب و قوس ہوں یا سنبلہ و ثور و حمل^(۲۲)

اشرف خلق اور احسن تقویم کے لیے افضلیت، شرف، آدمیت، انسانیت، فطرت سلیم اور سلیقہ کی استدعا کی ہے کیوں کہ عروج آدم خاکی کی انتہا احترام آدمیت میں پنہاں ہے۔ انسانیت سے گرنے والا حیوانیت کی اندھی غار میں جا گرتا ہے۔ ساحر لکھنوی نے بڑی عمدگی سے یہ بات باور کروائی ہے کہ پھول اور کانٹے گلشن میں دست و بغل ہو سکتے ہیں تو انسان کیوں مل جل کر نہیں رہ سکتے؟ ساحر لکھنوی توحید کا سبق یاد دلا کر توحید کے پرستاروں کو مثالی معاشرے کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ انھوں نے اسلامی فلاحی معاشرے کی تشکیلی اقدار و روایات کو جس فکری خوبی اور علم و حکمت سے اپنے حمدیہ قصیدے کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

اس کی سیرت میں بظاہر تو شرف کوئی نہیں
ہے جو افضل تو یہ ثابت کرے خود کو افضل
کیوں سلیقہ نہیں مل جُل کے اسے رہنے کا

خار و گل رہتے ہیں گلشن میں سدا دست و بغل (۲۳)

ساحر کھنوی کا یہ لامیہ قصیدہ ہے۔ جس کی تشبیہ فنی پختگی اور تراشیدگی کے اعتبار سے خوب صورت پیراہن میں جلوہ افروز ہے۔ تکوین مدح عالی شان نگینوں سے تعمیر کی گئی ہے۔ جس میں علم و عرفان کا گوندھا گیا گارا شاعر کے گہرے جذبوں کی تصویر کشی کرتا ہے۔

غلام علی وفا

غلام علی وفا (بقید حیات) پاکستان کے شعری منظر نامے کے درخشاں ستارے ہیں۔ آپ کا تعلق کراچی سے ہے۔ آپ قادر الکلام شاعر ہیں۔ آپ کے دادا بھی شاعر تھے۔ آپ غزل، موسیقی اور راگ راگنیوں کے دلدادہ ہیں۔ آپ روایت اور جدت کے امین ہیں۔ گزشتہ کا دراک رکھتے ہیں اور فردا کے نباض ہیں۔ آپ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے منسلک رہے ہیں۔ گہرا مشاہدہ، مشاقی، مطالعہ اور مضمون آفرینی آپ کا خاصا ہے۔ غلام علی وفا کے دو شعری مجموعے ”رنگ ہائے وفا“ اور ”غزل سے لب آزاد ہیں ترے“ شائع ہو چکے ہیں۔ فلمی دنیا اور بیرون ملک اردو و راجھستانی گیتوں اور دوہوں کے باعث مقبول ہیں۔ موسیقی اور شاعری کے استاد ہیں۔ آؤ سورج اگائیں، خواب دیکھتے رہنا، یہ گیت میرے آپ کی خاص پہچان ہیں۔ اُن کے مضامین مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

غلام علی وفا کے ہاں ایک ۵۶ شعروں کا اردو حمدیہ قصیدہ بھی موجود ہے جسے ”قصیدہ رب العظیم“ کا نام دیا گیا ہے۔ جس میں متلاشیانِ حق کی راہ نمائی کی گئی ہے۔ حمدیہ قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:

ہزار شکر کے سجدے کروں ہیں کم بے شک

کہاں میں اور کہاں میرا تہ زیرک (۲۴)

غلام علی وفا نے تخیل اور فکر کی بنیاد بڑے معنی خیز بنیادوں پر اُستوار کی ہے۔ کرب ناک مراحل، جاں گداز کسک، درد گیر نظر، خوں چکیدہ پلک، نہ غمگسار، نہ آشنا ہم دم، چہار سمت غیریت، دکھتی تنہائی، نہ اطمینان، اندھیرے کی دہشت، صبح و شام گھٹاؤں کی پورشیں، تیرگی، آتش فضا، سرد غاریں، حیوان اور انسان کے امتیاز کا خاتمہ، بدن کی عریانی، پیرہن سے لاعلمی، حریر و دیبا و کخواب سے بے خبری، کائنات کی رعنائیوں کا عدم شعور، موسیقی، نغموں، آلات موسیقی اور فن موسیقی کی جدتوں سے لاعلمی، بسر ہوتی زندگی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے فکری جہات میں اپنی بساط اور حیثیت و درجے کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ نہ رقص شعلہ جبیناں، نہ کاخِ رومماں، نہ مغلی کتھک، نہ گلاب و لالہ کی جذب و کسک، عنبر و کافور و صندل اور لعل و جواہر سے نابلد، فیروزہ و زمرد اور نیلم و یاقوت کی بھی بھٹک نہیں تھی۔ شعور و فہم اور ادراک کے بغیر انسان کس درجے کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ غلام علی وفا کے ہاں چند شعری نمونے ملاحظہ ہوں:

نہ غم گسار کوئی تھا نہ آشنا ہم دم

چہار سمت اگر تھی تو غیریت کی تپک

معیارِ عنبر و کافور و عود و صندل سے

حریمِ جاں کو مرے تھی نہیں ذرا بھی ڈرک^(۲۵)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا فرما کر اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا۔ انسان کو فرشتوں پر برتری بھی علم کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ یہ علم کے ثمرات ہی ہیں کہ آج کا انسان ماضی کی نسبت زیادہ بہتر زندگی بسر کر رہا ہے۔ غلام علی و فابیان کرتے ہیں کہ ایک وہ وقت بھی تھا جب کنارِ آب لہروں کے گیت نہیں سنتا تھا اور نہ ہی ہنوز ذوق و شوق رنگِ بہم تھا۔ تہی نظر تھا، آہورا مزدا بھی نہیں تھا۔ بے علم اور بے ہنر زندگی بھی رنگوں اور خوشبوؤں سے خالی چمن کی مانند ہوا کرتی ہے۔ ان کے ہاں انسانی جذبات و احساسات کو بیدار کرتی فکر اور سوچِ علوِ خیال کی دلیل ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

نہ ذوق، رنگ بہم تھا نہ شوق ہائے خطوط

ہنوز غیر تھی تیشے کی کار ساز و دھمک^(۲۶)

انسانی تاریخ کے قدیم آثار اور قدیم شہر بعلبک، ہڑپہ، بابل، روما اور نہ ہی معبدِ ناہید کی لپک روا تھی۔ شعور و فہم کی بلندیوں پر پہنچنے سے قبل انسان کا طرزِ معاشرت اور تہذیب و تمدن درج بالا شہروں کی ثقافت کے آثارِ قدیمہ سے جھلکتا ہے۔ غلام علی و فاس وقت کو زینتِ قرطاس بناتے ہیں جب وہ فطرت کا ناتراشیدہ کا وجود تھا۔ وہ سامی، دراوڑ اور آریا گو تھک سے لاعلم تھا۔ جب کچھ نہ تھا تو وجودِ باری تعالیٰ تھا وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہی پیغام غلام علی و فاس اپنے کلام اردو حمدیہ قصیدے میں دینا چاہتا ہے۔ ان کے ہاں فکری بالیدگی کے نمونے ملاحظہ ہوں:

نہ بعلبک نہ ہڑپہ نہ بابل و روما

ابھی نہ معبدِ ناہید کی روا تھی لپک

میں اک وجود تھا فطرت کا ناتراشیدہ

نہ میں تھا سامی دراوڑ نہ آریا گو تھک^(۲۷)

غلام علی و فابیان کرتے ہیں کہ جب وہ مہر و ماہ کو تکتا تھا اور خدا کا نام ہونٹوں تک نہیں آیا تھا اس وقت وہ تہی دولتِ اظہار تھا۔ جب رودِ نیل کا دامن نہیں سجا تھا اور فرات و دجلہ کی لہریں بھی ابھی تک گنجلک تھیں۔ نہ وہ رومی، ترکی، بربر، ازبک اور نہ ہی نہ اسے اجداد کے مسکن کا غرور تھا وہ محض تہی دامن ہی تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرما کر شعور کی دولت سے اشرف المخلوقات بنایا۔ غلام علی و فاس نے ایک زیرک شاعر کی طرح قصیدے کی زبان و بیان کو چاشنی اور جاہ و جلال عطا کیا ہے۔ اُن کے ہاں اس موضوع کی فکری بُنت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

علم بلند ہوا تھا نہ میری سطوت کا

تھی محوِ خوب مرے خنجر و دشنہ کی چمک
کرم یہ رب جلی کا مگر ہوا مجھ پر
شعور دے کے کیا اشرف الخلق بے شک^(۲۸)

غلام علی وفا نے سات اشعار کا آغاز لفظ شعور سے کیا ہے۔ جس سے شعور کی معنویت اُجاگر ہوتی ہے۔ چھ مرتبہ لفظ شعور اشعار کے اندر استعمال کیا ہے۔ یوں تیرہ مرتبہ لفظ شعور استعمال ہوا ہے۔ تیرہ مرتبہ لفظ شعور دس اشعار میں برتا گیا ہے جس سے غلام علی وفا کے ہاں شعور کی فکری اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ شعور و آگہی خیر و شر کے درمیان میں فرق کرتی ہے۔ شعور سے ہی بیداری جنم لیتی ہے۔ شعور و فہم علم ہی سے مشتق ہے۔ علم ہی کی بدولت انسان فرشتوں سے افضل ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام ہے کہ اس نے انسان کو شعور بخشا۔ اس کائنات میں میں فقط علم ہی اللہ تعالیٰ کا بھید پانے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا اگر کوئی اس دنیا میں ذریعہ ہے تو وہ فقط علم ہے۔ علم نور ہے اور نور اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے۔ لہذا صفات باری تعالیٰ کو اپنانے والا ہمیشہ با آبرو، باوقار اور سرخ رُو رہتا ہے۔ علم و شعور ہی وہ سرمایہ ہے جس کو مانگنے اور جس کے اضافے کی دعا کا آنحضرت ﷺ مالک ارض و سما کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا علم و شعور اور صاحب علم ہی احادیث و واحدیت کا فلسفہ سمجھا سکتا ہے۔ شعور کے مضمون پر دو اشعار ملاحظہ ہوں:

شعور کی ہی یہ لوح و قلم عنایت ہیں
یہ شعرو نغمہ سرودِ شبانہ لطف و کسک
فقط شعور کے دم سے فضیلتِ انساں
شعور و فہم کے آگے جھکے ہیں جن و ملک^(۲۹)

یہ انسان پر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید، مدح اور ستائش کے نغمے گائے اور اس کا صد شکر بجالائے۔ وفا کے ہاں اشعار دیکھیے:

یہ اس کی خاص نوازش ہے نسلِ انساں پر
کہ درمیان تھے جتنے گئے ہیں پردے سرک
وفا عزیز اُسے بھی ہے تیرا عجز و نیاز
بہ شکلِ اشک نہ یوں دیدہ بینا سے ٹپک^(۳۰)

رفیع الدین رازؒ

رفیع الدین رازؒ (بقید حیات) جدید اردو غزل کا تابندہ ستارہ ہے۔ بیگو سرائے، بہار (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔ امریکہ میں بھی رہ چکے ہیں۔ نعت گوئی میں خاص شغف رکھتے ہیں۔ تقریباً پچیس سے زیادہ شعری اور نثری تخلیقات کے مالک ہیں۔ ان کی کلیات غزل ”سخنِ سرمایہ“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ کلیاتِ نظم ”آبشارِ سخن“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ انشائیوں کی کلیات ”انشائے راز“

کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ حمد و نعت کا ایک مجموعہ ”دل آئینہ ہوا“ شائع ہو چکا ہے۔ نعتیہ مسدس ”روشنی کے خدو خال“ کے نام سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ کہنہ مشق اور جدید لب و لہجہ کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں ایک غیر مطبوعہ اردو حمدیہ قصیدہ ”برشگالِ نور“ کے نام سے بھی ملتا ہے۔ رفیع الدین راز کے اردو حمدیہ قصیدہ ”برشگالِ نور“ کا مطلع ملاحظہ ہو:

پیشِ نگاہ جو بھی ہے وہ بے مثال ہے

اے رب ذوالجلال یہ کیسا کمال ہے^(۳۱)

رفیع الدین راز نے اپنے حمدیہ قصیدے کا نام بھی اسی قصیدے کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

میری زمیں پہ رات کا پہرا ہے اس گھڑی

اور آسمان پہ روشنی کی برشگال ہے^(۳۲)

رفیع الدین راز نے فلسفہ وحدت الوجود کو حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے۔ نظریہ وحدت الوجود یہی ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے سے اللہ تعالیٰ کے انوار کی تجلیات رونا ہو رہی ہیں اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہر جگہ موجود ہونے کے قائل ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدر توں، تصرف اور اختیارات کی بنیاد پر ہر جگہ حکمرانی کے قائل ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

ذرے، ستارے، قطرہ شبنم، کلی، کرن

ہر شے میں ایک دیدنی حُسن و جمال ہے^(۳۳)

رفیع الدین راز نے بڑی عمدگی سے اللہ تعالیٰ سے شکوہ بھی کیا ہے مگر اندازِ تکلم اس قدر نزاکتوں سے معمور ہے کہ کہ بوجھل اور ناگوار محسوس نہیں ہوتا۔ استفہامیہ اندازِ تکلم، شکوے کا سارنگ اور دریافت کرنے کا پُر حکمت اندازِ شاعر کی علو فکر کا سرمایہ ہے۔ اس کے نزدیک فقط اللہ تعالیٰ کی ذات مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ اُن کے ہاں حالی و اقبال کے خیال کی ترقی یافتہ صورت کی شعری مثال دیکھیے:

کیوں بجلیوں کی زد میں ہے مومن کا آشیان

شکوہ تھا جو کسی کا وہ میرا سوال ہے^(۳۴)

رفیع الدین راز نے قرآن سے موضوعات اختراع کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ وہ سورۃ الرحمن کے مرکزی نکتے کو شعری قالب میں ڈھالتے نظر آتے ہیں۔ چاند، چرخ، دریا، سمندر، شبنم، باغات اور حسن کائنات سے اللہ تعالیٰ کی شانِ عظیم کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کا پورا ادراک ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے اس موضوع کی جامعیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں کہ تم اگر اس کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ اس حوالے سے شدت جذبات سے معمور شعر دیکھیے:

میں اُس سے اور سوال کروں میری کیا مجال

مقروض جس خدا کا مرابا بال ہے (۳۵)

رفیع الدین راز نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہر آشوب کا نوحہ بھی پیش کیا ہے کیوں کہ وہی آشوب ختم کر سکتا ہے۔ وہی حقیقی غوث ہے۔ ان کے کلام میں اقبال جیسی شوخی تو نہیں مگر احساس نزاکت ضرور ہے۔ تشبیب میں میں آشوبیہ موضوع کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ انداز حالی کی طرح کسک سے عبارت ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

یارب! معاف کر دے اسیرانِ کرب کو

پستی کی انتہا پہ اب ان کا زوال ہے (۳۶)

رفیع الدین راز نے یہاں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات عالیہ کو حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے وہاں اس کی عظیم ترین شان عالم الغیب ہونے پر بھی خامہ فرسایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات تمام سر و نہاں سے باخبر ہے۔ شعر اللہ تعالیٰ کی علمیت، دسترس، تصرف اور علام الغیوب ہونے کا بیان اور شاعر کے وفور شوق و محبت کا شہکار و آئینہ دار ہے۔ علو فکر سے مملو حمدیہ قصیدے کا شعر ملاحظہ ہو:

یارب تری نگاہ پہ افشا ہے سر بہ سر

کیفیتِ نفس ہے کیا، کیا دل کا حال ہے (۳۷)

رفیع الدین راز کا حمدیہ قصیدہ رنگ موضوعات کی بوقلمونیوں سے مزین ہے لیکن یہاں صرف اجمالی خاکہ پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بیان کر کے حسنِ طلب اور صلہ کے لیے نیاز مند ہیں۔ اللہ کریم و کرم والا، دریا دل اور منبع بخشش و عطا ہے۔ انھوں نے امت مسلمہ کے لیے اجتماعی دعا بھی کی ہے۔ جس میں ان کی اجتماعی سوچ اور عالم اسلام سے محبت ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ حسن طلب کی مثال ملاحظہ ہو:

میری دعا کو بابِ اثر سے گزار دے

امت پہ رحم کر توفیقِ المثل ہے (۳۸)

رفیع الدین راز کا یہ قصیدہ ۱۵۰ شعروں پر مشتمل ہے جو دورِ حاضر کا عمدہ حمدیہ قصیدہ ہے۔ فکرو فن کے ربط و انبساط سے ایک فن پارہ شہ پارہ ادب بن جاتا ہے۔ یہ ایک بھرپور حمدیہ قصیدہ ہے۔ یہی اس کی اصل پہچان ہے۔

شاعر علی شاعر

شاعر علی شاعر (بقید حیات) تاجدارِ ملتان بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے شہر ملتان میں پیدا ہوئے۔ کراچی میں مقیم ہیں۔ شاعر، ادیب، پبلشر اور نقاد ہیں۔ سہ ماہی ”رنگِ ادب“ پاکستان میں ادب پروری کا امین ہے۔ موجودہ عہد میں حمد و نعت کو بڑے پیمانے پر محفوظ کیا ہے۔ آپ کی مطبوعہ کتب کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے۔ اعزازات ان کے ادبی مقام و مرتبے کے تعین کے لیے کافی ہیں۔ غزل گو شاعر ہیں تاہم دیگر اصنافِ ادب میں بھی عمدہ ادب تخلیق کیا ہے۔ ان کا شمار موجودہ دور کی نمایاں ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔

دیگر اصنافِ شعری کے علاوہ اُن کے ہاں ایک غیر مطبوعہ حمدیہ قصیدہ، ”قصیدہ گلزارِ حمد“ کے نام سے ملتا ہے جو پاکستان میں اردو حمدیہ قصیدے کی روایت میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ مطلع کا شعر ملاحظہ ہو:

چاندنی رات میں دیکھا جو چمکتا امبر
یادِ سرکارِ دوعالم ﷺ سے ہوا دل مضطر^(۳۹)

اللہ تعالیٰ کی ذات چھپا ہوا خزانہ تھا پھر اس نے چاہا میں پہچانا جاؤں تو اس نے اپنی مشیت سے مخلوق کو خلق کیا اور پھر سید البشر ﷺ کو پیدا فرمایا۔ سید البشر کو پھر سید الانبیاء کا تاج پہنایا۔ یہ وہ تاج ہے جو کائنات میں کسی راہ نما کے سر نہیں سجایا گیا۔ شاعر علی شاعر نے شانِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کر کے خالق کی مدح و توصیف کا عمدہ اندازِ بیاں اپنایا ہے۔ ان کا یہ موضوع قرآنی تعلیمات سے کشید کردہ ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

مل گیا دہر میں انسان کو منزل کا سراغ
رہ نما بن کے چلے آئے حضورِ انور ﷺ^(۴۰)

شاعر علی شاعر نے فلسفہ وحدت الوجود کو بھی حمدیہ قصیدے کی زینت بنایا ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے نور سے بنی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے سے اس کی قدرتوں کے مظاہر عیاں ہیں۔ نظریہ وحدت الوجود کو وحدت الوجود نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ دنیا اور مافیہا میں پھیلے شجر و حجر بھی اپنے خالق کے حمد کن ہیں۔ شاعر علی شاعر کے ہاں شعری مثال دیکھیے:

ہر گل و برگ پہ لکھی ہے اُسی کی توصیف
اُس کی ہی حمد و ثنا کرتے ہیں سارے منظر^(۴۱)

شاعر علی شاعر نے مدحِ ربِّ کریم کے لیے قرآنی موضوعات کا بڑی بصیرت سے مطالعہ کر کے انھیں موزوں گوئی کا جامہ پہنایا ہے۔ قرآن بھی حمد سرا ہے۔ ان کا بیان کردہ موضوع سورۃ الانبیاء، فاطر، زمر، ابراہیم اور سورۃ لیس میں بھی اللہ تعالیٰ کی اجرامِ فلکی اور نظامِ فلکی کی قدرتوں کے مضمون کو بیان کرتا ہے۔ شاعر علی شاعر کا مشاہدہ مبنی بر حقیقت اور قرآنی تعلیمات پر استوار ہے۔ حمدیہ شعر ملاحظہ ہو:

اس کے ہی دم سے ہے مہر و مہ و انجم میں چمک
اس کے ہی اذن سے گردش میں ہیں یہ شام و سحر^(۴۲)

یہ دریاؤں کی روانی، یہ بارشوں کا پانی، گلشیرِ زکی جولانی اور پہاڑوں کی اونچائی یہ سارے کے سارے جاہ و جلالِ خالقِ کائنات کی عظمتِ تخلیق کی نشانیاں ہیں۔ سورۃ الرحمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی نشانیاں زبانِ حال سے حمد سرا ہیں۔ درخت زمین کا زیور اور پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ شاعر علی شاعر نے قرآن میں بیان کردہ قدرتِ کاملہ کی نشانیوں کے موضوع کو شعری روپ عطا کر دیا ہے۔ جاہ و جلال اور جمالیاتی و عرفانی انبساط کا حامل حمدیہ قصیدے کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

وہ خدا جس نے دریاؤں کو رکھا ہے رواں

وہ خدا جس نے بنائے ہیں یہ کوہِ اکبر^(۴۳)

شاعر علی شاعر نے ایک ہی شعر میں اللہ تعالیٰ کی کئی صفات کو خراجِ عقیدت پیش کی ہے جس سے ان کی ہمہ جہت شاعرانہ صلاحیت کا سراغ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات وراورئی ہیں۔ بندہ اس کا حمد سرا ہے۔ اُس کو جس صفت سے پکارو گے وہ عظیم ذات اُسی صفت کی شان سے نوازے گی۔ شاعر علی شاعر قرآنِ مبین کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے رطب اللساں ہیں۔ شعری مثال دیکھیے:

وہ ہی مالک، وہی خالق، وہی رازِ قی جہاں

اُس کے در سے ہی زمانے کو ملا لقمہ تر^(۴۴)

شاعر علی شاعر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے کہ اُس نے جہالت سے نکال کر نورِ مقدر کر دیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان پر یوں نغمہ پرداز ہیں:

وہ خدا جہل کی ظلمت سے بچایا جس نے

وہ خدا جس نے دیا ہم کو اُجالوں کا سفر^(۴۵)

قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات میں اللہ تعالیٰ کے قادر و قدیر ہونے کا تذکرہ و بیان ہے۔ جسے وہ چاہے، جیسے وہ چاہے، جس قدر اور جس پہلو سے وہ چاہے تغیر و تبدل کرے۔ وہ کن فیکون کا مالک ہے۔ تمام ذی روح الغرض تمام مخلوقات اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ شاعر علی شاعر گلشن، بارش، شجر، موسم اور کائنات کے مضمرات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے کُلی اختیارات پر سپاس گزار ہیں۔ موسیٰ کیفیات، موسیٰ اُتار چڑھاؤ اور تغیر سے پیدا ہونے والے مظاہر پر اللہ ہی کی قدرتِ قابض ہے۔ شعر دیکھیے:

آتے جاتے ہوئے موسم ہیں اُسی کے محتاج

ہے ہر اک برگ چمن اُس کی ثنا کا دفتر^(۴۶)

آخر میں شاعر علی شاعر تمنونیت و احسانِ مندی کا اظہار کرتے ہوئے سپاس گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دعاؤں کو قبول کرنے والا نہیں۔ وہی غوثِ حقیقی استعانت و مدد کر کے غموں کا مداوا کرنے والا ہے۔ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اُسی کے ہاں پکارنے والے کی پکار ضائع، بے کار اور رد نہیں ہوتی۔ آپ نے قصیدے کی ہیئت کے مطابق دعا کے اشعار بھی لکھے ہیں۔ ایک دعائیہ شعر دیکھیے:

ما سوا تیرے دعاؤں کو کرے کون قبول

غم گرفتوں کی رکھے تیرے سوا کون خبر^(۴۷)

یہ بات اظہارِ من الشئس ہے کہ تنقید فنونِ لطیفہ میں باقاعدہ فن کے درجے پر فائز ہو چکی ہے۔ روح اور جسم کا انحصار کسی گہرے ربط اور مشترکہ وجود کا عکاس ہے۔ فکر و فن کا عمدہ سنگم ہی اسے فصاحت و بلاغت، رُوپ، اسلوب، الفاظ و معانی کا حسین امتزاج اور بیان و بدیع کی چاشنی عطا کرتا ہے۔ شاعر علی شاعر کا یہ رائیہ قصیدہ ہے جو پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ عربی روایت کی تتبع میں غیر مردف قصیدہ لکھا ہے۔

منظر عارفی

سید منظر علی کراچی میں پیدا ہوئے۔ قلمی نام منظر عارفی ہے۔ آپ کے والد کا نام سید احمد علی ہے۔ آپ کی تعلیم گریجویشن ہے۔ آپ ایک باصلاحیت تخلیق کار ہیں۔ آپ کی شاعری زندگی کی رنگارنگ بوقلمونیوں سے مزین ہے۔ سخن سرائی روح کا وہ زمزمہ ہے جسے شوق و صل میں جوشِ دل سے گنگنا یا جاتا ہے۔ آپ نے احساسات اور مشاہدات کو تخیل کی گرم جوشی سے سپردِ قریاس کر کے جذبات کی مصوری کی ہے۔ کلام میں گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے جو روح میں اتر کر نغمگی اور سرور آگیاں تاثیر دیتی ہے۔ منفرد ذوقِ اظہار اُن کی اقبال مندی کا پیش خیمہ ہے۔ شعر میں رعنائی اور اُسلوبِ نگارشِ علو فکر کی علامت ہے۔ آپ کے ہاں وفورِ شوق کا سرمایہ اور محبت کی متاعِ متلاطم ہے۔

منظر عارفی کے شعری مجموعے ”پاؤں میں گرداب“، ”بساطِ عشق سے کارِ سخن تک“، ”تم مری منزل نہیں“، ”اللہ کی سنت“، ”روح ایماں“، ”کمالِ سخن“، ”انہی مشعلوں سے دیے جلے“، ”آپ اسرارِ ازل“، ”سلطانِ جہاں اور“ اور ”فانوس“ ہیں۔ اس کے علاوہ ”عرفانیاتِ عارف“ آپ کی مرتب کردہ کتاب ہے جس میں استاد عارف اکبر آبادی کے حمد، نعت، منقبت اور مرثی شامل ہیں۔ آپ نے ”سماجی انصاف تعلیمات نبوی کی روشنی میں“ سیرتِ نبوی ﷺ پر کام کیا۔ بچوں کے لیے بھی لکھا۔ تحقیق میں کراچی میں مختلف اصنافِ ادب پر کام کر کے کراچی کا ادبی منظر نامہ محفوظ کر دیا ہے۔ فقط منظر عارفی کی تحقیقی کتب کا مطالعہ قاری کو کراچی کے ادبی سفر سے رُوشناس کرانے میں کلیدی کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں ایک غیر مطبوعہ اردو حمدیہ قصیدہ بھی دستیاب ہے۔ یہ الفیہ حمدیہ قصیدہ سوا شعرا پر مشتمل ہے۔ یہ حمدیہ قصیدہ چاروں ارکانِ قصیدہ پر مشتمل ہے۔

منظر عارفی نے تشبیب کا فرشِ زندگی اور متعلقاتِ زندگی کے ارد گرد بچھایا ہے۔ تشبیب میں دنیاوی زندگی کے نشیب و فراز، غم و آلام، آہ و نفاں، ظلم و جبر، حق و باطل کی معرکہ آرائی، گرتی ہوئی انسانی ساکھ، خوشیوں کا فقدان، نفسانی خواہشات کی بہتات، نئی نئی امراض، ایٹمی جنگ کے بڑھتے ہوئے خدشات، بے حسی، افراطِ زر، وسائل کی تقسیم میں عدم مساوات، جرائم اور فحاشی و عریانی جیسے موضوعات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اس تشبیب میں آئینہ اور عکس دکھایا گیا ہے۔ زمانے کی نیرنگیاں اور معاشرتی پرچھائیاں تشبیب میں در آئی ہیں۔ مختلف سماجی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی مسائل کو اُبھارنے کے بعد منظر عارفی نے بڑی فکری چٹنگی سے ان مسائل کا حل اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں کی صورت میں پیش کیا ہے۔

تشبیب میں دورِ حاضر کے انسان کو درپیش انفرادی و اجتماعی معاملات و مسائل کو عہدگی سے نمایاں کیا گیا ہے۔ تشبیب کا یہ اندازِ سخن روایتی مضامین سے ہٹ کر ندرتِ خیال کا شاہکار ہے۔ ادبِ زندگی کا عکاس ہوتا ہے کے مصداق منظر عارفی نے جدید دور کا نوحہ اور المیہ رقم کیا ہے۔ منظر عارفی نے اپنے تمام تر خدشات کا حل اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بتلایا ہے۔ تشبیب نے عربی زبان و ادب سے ایرانی زبان و ادب تک کے سفر کے دوران میں رنگارنگ موضوعات کو بیان کیا ہے۔ اب تشبیب محض معاملاتِ حسن و عشق تک محدود نہیں رہی۔ تشبیب میں منظر عارفی کے فکری شعور اور شہر آشوب کی شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

آزار و مصائب کا ہے مدفن دنیا

پُر امن نہیں اس کا کوئی بھی لمحہ

ہر دور میں کھلتے رہے حلقومِ بشر

ہر عہد میں ہوتی رہی انساں پہ جفا^(۴۸)

تشبیہ کے بعد اور مدح سے قبل گریز میں مادح اپنے ممدوح کی مدح و توصیف بیان کرنے کا بہانہ تلاش کرتا ہے۔ یوں بڑی عمدگی سے مدح کی طرف مڑ جاتا ہے۔ وہ اشعار جن میں مادح اپنے ممدوح کی مدح سرائی کا جواز پیش کرتا ہے گریز کہلاتا ہے۔ گریز کے اشعار دیکھیے:

اب ایسے میں مذہب تو یہی ہے کہتا

اللہ سے جڑ جائے ہر اک عبدِ خدا

کثرت سے کرے حمد زباں میں اپنی

طاعت کی طرف آئے خدا کی، پر جا^(۴۹)

مدح میں منظر عارفی نے اپنی فکر کو قرآن مجید فرقانِ حمید کے بیان کردہ موضوعات سے کشید کیا ہے۔ اسمائے الحسنیٰ، صفاتِ ربِّ جلیل، مشاہداتِ فطرت، کائنات میں موجود قدرتِ الہی کے مظاہر، فلسفہ وحدت الوجود، فلسفہ وحدت الشہود، اور فلسفہ وجود واجب وغیرہ کے موضوعات کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ کی شان بیان کی ہے۔ مدح کے مطلع ملاحظہ ہو:

جی چاہتا ہے پاؤں سعادت کی ضیا

رب ہی کی مدد سے کروں کچھ رب کی ثنا^(۵۰)

اللہ تعالیٰ مالکِ کل، والی، خالق اور پناہ دینے والی ذات ہے۔ کائنات میں موجود سب کچھ اس کے تصرف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور والی ہونے کے قرآنی موضوع کو کمال فکری ہمت سے شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ منظر عارفی کے ہاں اس کی شعری مثال ملاحظہ ہو:

اے مالکِ کل! تو ہے ہمارا والی

اے خالقِ کل! تو ہے ہمارا بچا^(۵۱)

منظر عارفی نے قرآن مجید سے اسماء الحسنیٰ مستعار لے کر حمدیہ قصیدے کے چمن کو معطر کیا ہے۔ راحم، رحیم، اعلیٰ، اکبر، والی کل، سمیع، بصیر خالق کائنات جیسے اسماء الحسنیٰ کو قصیدے میں سمو یا ہے۔ شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

اے راحم و رحیم! ہے تو ہی سب سے بلند

اے سب سے بڑے، تجھ سے نہیں کوئی بڑا^(۵۲)

اللہ تعالیٰ کی ذات احسن الخالقین ہونے کے قرآنی موضوع کو بھی منظر عارفی نے شعری سانچے میں ڈھال کر دادِ تحسین وصول کی

ہے۔ انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور شاہکار تخلیق ہے۔ اس مصور حقیقی نے جان ڈال کر مختلف مخلوقات کو مختلف اشکال اور خلیے عطا فرمائے ہیں۔ شعری نظائر ملاحظہ ہوں:

جاں ڈالنے والی ہے فقط ذات تری
بذات فقط ہے تو ہی پیدا کرتا
خلقت کو تو ہی صورتیں دیتا ہے کریم!
رکھتا ہے گنہگاروں کا تو ہی پردہ (۵۳)

غفار، قہار، وہاب، رزاق، فلاح، باسط، حافظ و حق، عزت و ذلت پر قادر، حاکم مطلق، بصیر و قیوم جیسے اسماء الحسنیٰ کو قرآن مجید سے مستعار لیا گیا ہے۔ قرآن میں مختلف مقامات پر ان صفات باری تعالیٰ پر آیات مقدسہ موجود ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ منظر عارفی اپنے موضوعات قرآن مجید سے کشید کرتے ہیں۔ جس سے ان کی قرآن بینی کا پتہ چلتا ہے۔ شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

غفار ہے، قہار ہے، وہاب ہے تو
رزاق ہے، فلاح ہے تو میرے خدا
اے قابض و اے باسط و اے حافظ و حق!
ہے عزت و ذلت پہ ترا حکم رسا (۵۴)

منظر عارفی نے قرآن مجید میں بیان کردہ فلسفہ توحید کو بھی شعری روپ عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے احوال سے باخبر ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مبلغ ہے۔ قرآن نے توحید کے مختلف پہلوؤں اور تقاضوں کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ یوں پرستار توحید کے لیے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی یکتائی کا بیان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص میں بڑی صراحت سے ایمان کے لیے توحید کے اخلاص کا تذکرہ فرمایا ہے۔ صد ہونا اس کی شان ہے۔ بے نیازی سے مراد، وہ وجود میں اور صفات و کمالات میں کسی محتاج نہیں ہے۔ اُسے کسی کے سہارے اور معاونت کی ضرورت نہیں ہے۔ منظر عارفی کے ہاں اس کی شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

تو سب سے بڑا، سب سے بلند و برتر
ہے علم ترا سب سے زیادہ مولا
ہر چیز سے آگاہ، خبردار، اے صمد
انصاف ہے سب سے بڑا انصاف ترا (۵۵)

منظر عارفی نے آیت الکرسی میں بیان کردہ صفات الہیہ میں صفت ربّ جلیل کو سُخن کا جامہ پہنایا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی شان کو بڑی دلی وارفتگی سے شعری روپ عطا کیا گیا ہے۔ قرآن سے کشید کردہ موضوعات ان کا شعری اثاثہ ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

تو ہی تو شہنشاہِ حقیقی ہے کریم!

تو منعِ اعزاز و شرف ہے مولا^(۵۶)

قرآن کی بیان کردہ علمی اصطلاحاتِ اول، آخر، ظاہر اور باطن کا فلسفہ بھی منظرِ عارفی نے حمدیہ قصیدے کے سپرد کیا ہے۔ اول سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات سے پہلے کوئی نہیں تھا۔ آخر سے مراد اس کے بعد اس کی انتہا نہیں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ظاہر سے مراد وہ اپنی قدرتِ کاملہ کے باعث کائنات کے مشاہدات میں سے ظاہر ہے۔ باطن سے مراد وہ ہماری آنکھوں سے چھپا ہوا ہے اس سے زیادہ پوشیدہ کوئی نہیں مگر وہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ قرآن کے موضوعات کو بڑی جامعیت سے منظرِ عارفی نے شعری روپ دیا ہے۔ مثال دیکھیے:

اے اول، اے قادر، اے موخر، ظاہر

پوشیدہ و پنہاں بھی تری ذات پہ وا^(۵۷)

منظرِ عارفی اللہ تعالیٰ کے کرم پر سپاس گزار ہے کہ اس کی عطاؤں کو رقم کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ یقیناً اس کی عطائیں ان گنت اور بے شمار ہیں جس نے آقائے دو جہاں ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی امت میں پیدا ہونا باعثِ شرف، باعثِ عزت و تکریم اور خاص فضلِ الہی ہے۔ جس طرح آقائے دو جہاں تمام انبیاء کرام سے بزرگ و برتر ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی تمام امتوں سے عزتوں کے درجے پر فائز ہے۔ شعری مثال ملاحظہ ہو:

پھر ایک بڑا اور ملا مجھ کو شرف

امت میں محمد کی ہوا میں پیدا^(۵۸)

منظرِ عارفی کا حمدیہ قصیدہ ہر دو پہلوؤں فکری اور فنی اعتبار سے قصیدے کے آہنگ کے مطابق ہے۔ اردو زبان و ادب اور اصنافِ شاعری کی آبیاری فکری اور عملی طور پر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ نسلوں کو ایسے ادب کا ورثہ ملے جس پر وہ ایمان و ایتقان اور گیان کی بنیادیں استوار کر سکیں۔ تاکہ فاسد العقیدگی اور غیر اللہ کے خیال کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سعادت سعید: ”قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ“ (مقالہ پی ایچ ڈی اردو) ص ۳۱

۲۔ اثرِ زبیری: ”سلسیل“، الحجاز پبلشرز، کراچی، سن، ص ۳

۳۔ ایضاً، ص ۳

۴۔ ایضاً، ص ۳

۵۔ ایضاً، ص ۳

۶۔ ایضاً، ص ۳

۷۔ ایضاً، ص ۳

- ۸۔ ایضاً، ص ۳
- ۹۔ ایضاً، ص ۳
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۳
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۳
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۳
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۴
- ۳۱۴۔ ایضاً، ص ۳
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۴
- ۱۶۔ ساحر سکنوی: ”صحیفہ مدحت“ آثار و افکار اکادمی، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۶۷
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۶۷
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۶۸
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۷۱
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۷۱
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۷۰
- ۲۴۔ غلام علی وفا، حمدیہ قصیدہ (غیر مطبوعہ)، مملوکہ: راقم
- ۲۵۔ ایضاً
- ۲۶۔ ایضاً
- ۲۷۔ ایضاً
- ۲۸۔ ایضاً
- ۲۹۔ ایضاً
- ۳۰۔ ایضاً
- ۳۱۔ رفیع الدین راز، حمدیہ قصیدہ (غیر مطبوعہ)، مملوکہ: راقم
- ۳۲۔ ایضاً
- ۳۳۔ ایضاً
- ۳۴۔ ایضاً
- ۳۵۔ ایضاً

- ۳۶۔ ایضاً
 ۳۷۔ ایضاً
 ۳۸۔ ایضاً
 ۳۹۔ شاعر علی شاعر، حمدیہ قصیدہ (غیر مطبوعہ)، مملوکہ: راقم
 ۴۰۔ ایضاً
 ۴۱۔ ایضاً
 ۴۲۔ ایضاً
 ۴۳۔ ایضاً
 ۴۴۔ ایضاً
 ۴۵۔ ایضاً
 ۴۶۔ ایضاً
 ۴۷۔ ایضاً
 ۴۸۔ منظر عارفی، حمدیہ قصیدہ (غیر مطبوعہ)، مملوکہ: راقم
 ۴۹۔ ایضاً
 ۵۰۔ ایضاً
 ۵۱۔ ایضاً
 ۵۲۔ ایضاً
 ۵۳۔ ایضاً
 ۵۴۔ ایضاً
 ۵۵۔ ایضاً
 ۵۶۔ ایضاً
 ۵۷۔ ایضاً
 ۵۸۔ ایضاً

References

1. Dr. Saadat Saeed: "Qasida's Ka Tahzeebi wa Fani Mutalia" (Ph.D. Urdu), p. 31
2. Assar Zeberi: "Salsabil" Al-Hajjaj Publishers, Karachi, SN, p. 3
3. Ibid, p. 3
4. Ibid, p. 3
5. Ibid, p. 3
6. Ibid, p. 3
7. Ibid, p. 3
8. Ibid, p. 3

9. Ibid, 3.
10. Ibid, 3.
11. Ibid, 3.
12. Ibid, 3.
13. Ibid, 3.
14. Ibid, 3.
15. Ibid, p. 4
16. Sahir Lakhnavi: "Sahifah Madhat", Aasar wa Ifkar Academy, Karachi, 1997, p. 67
17. Ibid, p. 67
18. Ibid, p. 68
19. Ibid, p. 69
20. Ibid, p. 69
21. Ibid, p. 71
22. Ibid, p. 71
23. Ibid, p. 70
24. Ghulam Ali Wafa, Hamdiyya Qasida (unpublished), Mamluka: Author
25. Ibid.
26. Ibid.
27. Ibid.
28. Ibid.
29. Ibid.
30. Ibid.
31. Rafi-ud-Din Raz, Hamdiyya Qasida (unpublished), Mamluka: Author
32. Ibid.
33. Ibid.
34. Ibid.
35. Ibid.
36. Ibid.
37. Ibid.
38. Ibid.
39. Shair Ali Shayr, Hamdiyya Qasida (unpublished), Mamluka: Author
40. Ibid.
41. Ibid.
42. Ibid.
43. Ibid.
44. Ibid.
45. Ibid.
46. Ibid.
47. Ibid.
48. Manzar-e-Arifi, Hamdiyya Qasida (unpublished), Mamluka: Author
49. Ibid.
46. Ibid.
48. Ibid.
49. Ibid.
50. Ibid.
53. Ibid.
54. Ibid.
56. Ibid.
57. Ibid.

58. Ibid.